واقعاتِ سیرت میں اہلِ کفر سے روایت کی شرعی حیثیت

*عثمان احمد

It is an important issue of the seerah discipline of Islamic Sciences that What are the primary rules for acceptenc and rejection of triditions. There is a vast difference of opinions among scholars on the said issue. Apart from other questions related to this issue, a question also arises that a tradition reported by a non Muslim is acceptable or not. The scholars of seerah discipline has used the narrations of non muslims when needed. The article deals with the issue.

اللہ جل شانہ نے ختم المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شان رفعنا لك ذكرك سے نوازا اور اس کے آثار وشواہد کی نمود ابتدائے آفرینش سے ہی ہوگئی۔ صدیوں کی انسانی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ برگزیدہ پیغمبروں کے سچے ہونٹوں پر آپ کے نام نامی کی زیبائش رہی اور انکی گفتگوؤں میں آپ کی سیرت کی مدح وثنا کے پھول کھلتے رہے۔ آپ کا ذکر صحفِ آسمانی کی زینت رہا۔ پاکیزہ انسانوں کے قلوب میں آپ کی محبت خیمہ زن رہی اور آنکھیں حسرتِ دیدار میں نمناک رہیں۔ تاجِ نبوت سے سرفراز مقدس ہستیوں کے دل آپ کی امت کا ایک فرد بننے کی آرزو میں بے قرار رہے۔ جس ہستی کی برکات زمان ومکان سے ماورا ہیں اس کی سیرت کی محفوظیت کو ایسی عجیب شان حاصل ہوئی کہ اس کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی سیرت الہامی کتابوں میں محفوظ کر دی گئی۔(۱) اہل عرب میں آپ کی بعثتِ مطہرہ کے تکوینی فیصلے نے اہل عرب کی نسلوں کو محفوظ کر دیا۔ عام طور پر جب سیرت نگار آپ کی اہلِ عرب میں بعثت کی حکمتوں کو زیر بحث لاتے ہیں تو اہل عرب کے دیگر اوصاف میں ایک وصف قوی حافظے بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اگر حقیقت میں نگاہ ڈالی جائے تو یہ کہنا زیادہ انسب ہوگا کہ اللہ نے ختم المرسلین کی سیرت کی محفوظیت کے لیے عربوں کے حافظوں کو اس طرح تقویت بخش دی کی گھوڑوں کے نسب نامے بھی ان کی یادداشتوں کا حصہ بننے لگے۔(۲) یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہا کہ آپ کی پیدائش سے قبل اہلِ کفر کو بھی آپ کی سیرت کی حفاظت کے لیے تیار کر دیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ابتدائی حصہ جس کا تعلق آپ کی پیدایش سے قبل کے خاندانی ومعاشرتی حالات، آپ کی پیدائش کے وقت اور اس سے کچھ وقت قبل رونما ہونے والے معجزاتی واقعات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی والدہ ماجدہ اور بعض دیگر اعزہ واقارب کے خاندان اور انساب وغیرہم

*لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

جیسے بہت سے اہم امور ہیں جن میں مکہ کے اہل شرک بنیادی مصدر قرار پاتے ہیں۔ اس لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علم سیرت میں اہل کفر وشرک سے روایات قبول کرنا شرعا درست ہے کہ نہیں؟ اس مسئلہ کی تحقیق کی پہلی جہت یہ ہے کہ کتب اصول حدیث کا جائزہ لیا جائے کہ محدثین کی آراء اہل کفر سے روایت قبول کرنے کے مسئلہ میں کیا ہیں؟ دوسری جہت یہ ہے کہ علماءِ سیرت کے اہل کفر سے قبول روایت کے مسئلے میں اکثریتی تعامل کا جائزہ لیا جائے؟ تیسری جہت یہ ہے کہ دلائل نقلیہ وعقلیہ کی روشنی میں اس سوال کا جواب تلاش کیا جائے۔

کتب اصول حدیث اور اہل کفر سے قبول روایت کی ابحاث

کتب اصول حدیث میں بنیادی طور پر یہ بحث اسباب طعن راوی کے باب میں بدعت کے طعن کے تحت بیان ہوئی۔ اصولیین بدعت کو دو اقسام میں منقسم کرتے ہیں۔ بدعت مفسقہ اور بدعت مکفّرہ۔ بدعت مکفرہ سے مراد وہ بدعت ہے جس کے ارتکاب سے تکفیر لازم آتی ہے جیسے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ میں الوہی حلول کا اعتقاد، سیدہ عائشہؓ پر تہمت باندھنا وغیرہ۔ بدعت مکفرہ کے مرتکبین کے بارے میں علماء کی تین آراء ہیں۔

۱۔ تاویل باطل کرنے والے کفار وفساق کی روایت علی الاطلاق قبول کی جائے گی۔ یہ رائے متکلمین اور اہل النقل کی ہے(۳)

۲۔ اہل کفر کی روایت اس شرط پر قبول کی جائے گی کہ وہ کذب کی حرمت کا اعتقاد رکھتے ہوں۔ یہ رائے اصولیین میں سے ایک جماعت کی ہے جن میں ابوالحسین البصری،(۴) امام رازی (۵) اور بیضاوی (۶) شامل ہیں۔

۳۔ کافر وفاسق کی روایت مطلقا قبول نہیں اور ہرصورت رد کی جائے گی۔ امام نووی نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ بدعت کے باعث جن کی تکفیر کی گئی ان کی روایت رد کردی جائے گی۔(۷)

جمال الدین القاسمی لکھتے ہیں

وقع فی کلام النووی فی شرح مسلم فی المتواتر انه لا یشترط فی المخبرین به الاسلام، و کذا قال الاصولیون ولا یخفی ان هذا اصطلاح الاصولیون والا فاصطلاح المحدثین فیه،ان یرویه عدد من المسلمین لانهم اشترطوا فیمن یحتج بروایة ان یکون عدلا ضابطا، بان یکون مسلما بالغا، فلا تقبل روایة الکافر فی باب الاخبار وان بلغ فی الکثرة ما بلغ،وعبارة جمع الجوامع مع شرحه: ولا تقبل روایة کافر وان عرف بالصدق لعلو منصب الروایة عن

الکفار، نعم یقبل من الکافر ما تحملہ فی کفرہ اذا اسلم(۸)

شرح مسلم میں امام نووی نے ذکر کیا ہے کہ متواتر کے لیے رواۃ کے اسلام کی شرط عائد نہیں کی جائے گی۔ اصولیین کی بھی یہی رائے ہے۔ لیکن یہ بات مخفی نہیں کہ اصولیین کی اپنی ایک خاص اصطلاح ہے۔ جبکہ محدثین کی اصطلاح اس سلسلے میں یہ ہے کہ متواتر وہ ہے جسے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد روایت کرے۔ اور ان کے ہاں راوی کے عادل وضابط ہونے کی شرط سے مراد راوی کا مسلمان اور بالغ ہونا ہے۔ اس لیے کسی کافر کی روایت قبول نہیں کی جائے گی چاہے ان کی تعداد کثرت کی کسی انتہا کو چھولے۔ جمع الجوامع اور اس کی شرح کی عبارت اس طرح ہے: کافر کی روایت قبول نہیں کی جائے گی اگر چہ وہ صدق میں معروف ہو کیونکہ روایت کا منصب کفار سے بہت بلند ہے۔ البتہ کافر اگر حالتِ اسلام میں اپنے کفر کے ایام کی کوئی بات روایت کرے تو وہ قبول کی جائے گی۔

حنفی اصولی عالم عبدالعزیز بخاری تحریر فرماتے ہیں۔

وعدالتھم یشیر الی اشتراط الاسلام و العدالة کما قالہ قوم،لان الاسلام و العدالة ضابطا الصدق و التحقیق، والکفر و الفسق مظنتا الکذب و المجازفة فشرط عدمھما،وعند العامة لیس بشرط للقطع(۹)

(بزدویؒ نے) جو عدالتہم کے الفاظ لکھے ہیں ان سے ان کا اشارہ متواتر حدیث میں اسلام اور عدالت دونوں کے شرط ہونے کی طرف ہے جیسا کہ ایک جماعت کی رائے ہے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک اسلام اور عدالت دونوں صدق اور تحقیق کے ضابطے ہیں جبکہ کفر وفسق جھوٹ اور ظن وتخمین کے مترادف ہیں تو انہوں نے کفر وفسوق کے عدم کو شرط ٹھہرایا۔ لیکن عام اصولیین کے نزدیک اسلام اور عدالت دونوں متواتر کی شرط نہیں اور ان کے بغیر بھی علم قطعی حاصل ہوتا ہے۔

درج بالا اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جمہور اصولیین کے نزدیک قبولِ روایت میں اسلام کی شرط نہیں عائد کی جائے گی۔ جبکہ محدثین کے نزدیک قبول روایت کے لیے اسلام کی شرط عائد کی جائے گی۔ اگر محدثین کے موقف کا جائزہ لیا جائے تو اس کی بنیادی وجوہ یہ ہیں۔

(الف) روایت حدیث کو امر تعبدی سمجھنا اور کافر کی کوئی عبادت مقبول نہیں۔ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ محدثین روایت کے عمل کو عبادت کے قائم مقام سمجھتے۔ **ولا تقبل روایة کافر وان عرف بالصدق لعلو منصب الروایة عن الکفار.** کہ شہرتِ صدق کے باوجود روایت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ

روایت کا منصب اس سے بلند ہے۔ لیکن روایتِ حدیث کو امر تعبدی سمجھنا کسی طرح بھی درست نہیں سمجھا جا سکتا۔ قرآن اہل کفر سے کہتا ہے ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین (۱۰) دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ صادق ہونے کی صورت میں ان کی بات قبول کی جائے گی۔

(ب) چونکہ حدیث سے امور دینیہ عبارتاً، اشارتاً، دلالتاً یا اقتضاءً ثابت ہوتے ہیں اور اہل کفر کے قول سے کوئی امر دینی ثابت نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر کسی امر دینی کی بجائے روایتِ کافر سے محض امر دنیا کو ثابت کیا جائے تو یہ سبب ختم ہو جاتا ہے۔ سیرتِ طیبہ کی روایات اگر اہلِ کفر سے لی جائیں تو ان سے شرعی احکام کا اثبات مقصود نہیں ہوتا بلکہ ان کی حیثیت اخبارِ دنیوی کی ہوتی ہے۔

(ج) محدثین جن اہل کفر کو زیر بحث لاتے ہیں بالعموم ان کی مراد وہ ہیں جن پر ارتداد کا شبہ ہوتا یا زندقہ کا۔ مرتدین وزنادقہ کی شرعی حیثیت کفارِ اصلیہ کی طرح نہیں ہے۔ مرتد اور زندیق کو شریعت واجب القتل قرار دیتی ہے جبکہ کافرِ اصلی کے ساتھ علی الاطلاق ایسا معاملہ نہیں ہے۔ سیرت میں جن سے روایت کی ضرورت پڑتی ہے وہ کفار اصلیہ ہیں۔ مرتدین وزنادقہ سے روایت قبول کرنا یقیناً بہت سے مفاسد کا باعث ہوسکتا کیونکہ وہ دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد اپنے ایسے فاسد اعتقادات کے باعث کافر قرار پائے جنہیں وہ اسلام ہی قرار دیتے جبکہ کفار اصلیہ کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔

(د) کفر کو کذب کے مترادف سمجھنا۔ محدثین کفر کو کذب اور اسلام کو صدق کا مترادف قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ انہی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اگر اسلام صدق کے مترادف ہوتا تو پھر تو کسی مسلمان راوی کے بارے یہ چھان پھٹک کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ اسی طرح کفر کو کذب کے مترادف قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں۔ حدیث میں تو اہلِ کتاب کی روایت کے بارے حکم دیا گیا کہ انکی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔ تاکہ اگر حق ہے تو تکذیب نہ ہو اور اگر باطل ہے تو تصدیق نہ ہو (۱۱) اگر اہلِ کفر کی روایت پر کفر کے باعث کذب کا اطلاق ہوتا تو فرمان نبوی میں لاتکذبوہم نہ ہوتا۔

اہل کفر سے قبول روایت میں علماء سیرت کا تعامل

اصحابِ حدیث اور اصحابِ سیرت کا اگرچہ بنیادی کام ایک ہے کہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، اعمال اور تقریرات کی جمع وتدوین کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود دونوں طبقات میں ایک بڑا فرق موجود ہے۔ اصحابِ حدیث کا مقصود بالذات احکام کا جاننا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے ان کی بحث ضمناً ہوتی ہے یا التزاماً مگر اصحاب سیرت کا مقصود بالذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

ذات ہوتی ہے اور احکام کی بحث ضمنی ہوتی ہے۔ اصحاب حدیث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و اعمال کو جمع کرنے تک محدود رہتے جبکہ اصحاب سیرت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و اعمال کو ایک مربوط شکل میں بیان کرنے کے لیے تاریخی ترتیب اور اسباب و علل بھی جاننا پڑتے۔ اس فرق کی وجہ سے اصحاب حدیث اور اصحابِ سیرت دو مستقل جماعتیں بن گئیں اور دونوں کا معیار تحقیق بھی جدا ہو گیا۔ محدثین رواۃ کی ثقاہت، تقویٰ اور ضبط کی کمی یا زیادتی کی بنیاد پر روایتوں میں اختلاف کے وقت ترجیح دیتے ہیں اور اصحاب سیرت حالات کی موافقت اور واقعات کے علم کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔

اصحابِ سیرت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے وقت یا اس کے قریب حجاز کی معاشرتی یا مذہبی حالت بیان کرتے ہیں اور ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ واضح کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد اور تعلیمات سے حالات میں کیسا تغیر واقع ہوا۔ اور کونسا حکم کس کس مناسبت سے دیا گیا یہ ان حالات کے جانے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے لیے محدثین کی شرائط کے موافق ایک روایت بھی نہیں مل سکتی۔ پیدائش سے لے کر بعثت تک کے حالات کی بھی یہی صورت ہے۔ بڑے سے بڑے محتاط محدث نے بھی یہی کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کے علاوہ صحابہ، کبار تابعین کے اقوال جمع کیے ہیں گو واقعہ کے وقت وہ موجود نہیں تھے کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ غزوات کے حالات اصحابِ حدیث اور اصحابِ سیرت دونوں نے لکھے ہیں مگر دونوں کے لکھنے میں بہت فرق ہے۔ فتح مکہ کے متعلق محدثین اتنا لکھتے ہیں کہ قریش نے حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑا اور بنی خزاعہ پر ظلم کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش پر حملہ کیا اور مکہ فتح ہوا۔ لیکن اصحابِ سیرت صرف اس پر اکتفا نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ معاہدہ کی کیا اہمیت تھی، بنی بکر و بنو خزاعہ کے درمیان کتنے عرصہ سے جنگ چلی آرہی تھی اس کے اسباب کیا تھے، معاہدہ کی وجہ سے جنگ کیونکر رکی؟ چنانچہ بنو بکر اور بنو خزاعہ کے باہمہ تنازعات اور جنگ و جدال کی تاریخ کے بیان کے لیے متدین مسلمانوں کی روایت دستیاب ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا اور ایسی روایت کا نہ ملنے کا مطلب یہ نہیں مانا جا سکتا کہ بنو بکر و بنو خزاعہ کے لوگوں نے جو کچھ اپنے کافر آباء و اجداد سے سنا تھا وہ سب نا قابل اعتبار اور قابل رد ہے۔ اسی لیے اصحاب سیرت نے یہ روایات جمع کیں۔ نجران کے نصاریٰ اور خیبر کے یہود کے متعلق بہت سی اہم باتیں نصاریٰ اور یہود کے علاوہ کسی سے نہیں معلوم ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ اہلِ سیرت نے ان کے واسطہ سے روایات جمع کیں۔ (۱۲)

دل چسپ حقیقت یہ ہے کہ محدثین اسنادِ عالیہ کے باوجود بہت سی جگہوں پر واقعات کی تفہیم کے لیے

اصحاب سیرت کے ہی محتاج ہوتے ہیں۔جس کی دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔صحیح مسلم کی روایت ہے حضرت ابوسفیانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا کہ میں ام حبیبہ کو آپ کے عقدِ نکاح میں دیتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمایا۔(۱۳) اصحاب سیرت کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں۔ام حبیبہؓ کا نکاح حبشہ میں ہوا اور اس وقت حضرت ابوسفیانؓ مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے جمہور محدثین تسلیم کرتے ہیں کہ یہ روایت باوجود صحیح ہونے کے قابل قبول نہیں ہے۔(۱۴) اسی طرح بخاری کی روایت ہے کہ واقعہ افک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی میں ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو ان منافقین کے مقابلہ میں کھڑا ہو۔حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہوئے اور کہا کہ شریر افراد اوس سے ہوں یا خزرج سے میں ان سے مقاتلہ کے لیے تیار ہوں۔(۱۵) اصحابِ سیرت کہتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔اصحابِ سیرت کا اتفاق ہے کہ غزوہ احزاب کے بعد بنی قریظہ کا فیصلہ کرنے کے بعد سعد بن معاذ کا انتقال ہو گیا تھا۔اور محدثین کی اکثریت نے اسے قبول کیا ہے(۱۶)

علمِ سیرت میں اہل کفر سے قبول روایت کے جواز کے دیگر دلائل نقلیہ وعقلیہ

ذیل میں سیرت میں اہل کفر سے روایت لینے کے شرعی جواز میں مزید دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

اہل کفر سے جوازِ روایت کی قرآنی دلیل

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔**فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون** (۱۷)(اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے)۔اس آیت میں اہل کتاب سے سوال کر کے تصدیق کر لینے کا حکم دیا گیا۔اگر اہلِ کتاب قبول روایت کے معاملہ میں علی الاطلاق کاذبین ہوتے تو ان سے سوال کر کے رسولوں کی بشریت کے تاریخی مسئلہ پر شہادت لے لینے کا حکم نہ دیا جاتا۔یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کسی تاریخی مسئلہ میں اہل کفر سے روایت قبول کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ضرورت کے وقت مستحسن عمل بن جاتا ہے۔اس آیت کی تفسیر میں صاحبِ تفسیر خازن تحریر فرماتے ہیں۔

یعنی اهل الكتاب وهم اليهود و النصارىٰ وانما امرهم الله بسوال اهل الكتاب ۔یعنی اہل کتاب، یہود و نصاریٰ، اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو ان سے سوال کر کے اس بات کی تصدیق کا حکم دیا کہ تمام انبیاء جنس بشر سے ہی آتے رہے۔(۱۸)

ابن عجیبہ تحریر فرماتے ہیں

اهل الكتاب، او علماؤهم الاحبار،الذين لم يسلموا، لانهم لا يتهمون في

شھادتھم (اہل کتاب کے علماء احبار سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے لیکن وہ شہادت کے معاملے انہیں متہم نہیں سمجھتے تھے)(۱۹)

حالتِ کفر میں اہلِ کفر کے صدق کا حدیثی ثبوت

مشرکین مکہ کے بارے تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ کذب بیانی کو بہت بڑا عیب سمجھتے تھے اس لیے مکی دور دعوت میں نفاق کا سامنا نہیں ہوا۔ حالتِ کفر میں اہل کفر کے سچ بولنے پر حدیث نبوی کی شہادت بھی موجود ہے۔ حضرت ابوسفیانؓ ہرقل قیصر روم کے دربار میں اپنے بلائے جانے اور وہاں پیش آنے والے سوال و جواب کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ انہوں حالتِ کفر اور باوجود تمام تر عناد و دشمنی کے تمام سوالات کے جواب میں صدق سے کام لیا اور وہ واضح کہتے ہیں **فواللہ لولا الحیاء من ان یاثروا علی کذبا لکذبت** (اللہ کی قسم اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ مجھے بعد میں جھوٹا کہا جائے گا تو میں ضرور جھوٹ بول دیتا) باوجود مخالف ہونے خود کو جھوٹا کہلانا سخت ناپسند تھا اور سچ بولنے کو ترجیح دی (۲۰)

دنیوی معاملات میں اہلِ کفر پر اعتماد کا حدیثی ثبوت

ہجرت کے موقع پر عبداللہ بن اریقط (۲۱) مشرک کی خدمات بطور رہبر مستعار لی گئیں۔ امام حاکم حبیش بن خویلد کی حدیث روایت فرماتے ہوئے الفاظ نقل فرماتے ہیں: **دلیلھما اللیثی عبد اللہ بن اریقط** (ان دونوں کے رہبر عبداللہ بن اریقط اللیثی تھے)(۲۲) ہجرت جیسے اہم فریضہ میں مشرکین مکہ میں سے ایک فرد کو بطور رہبر اجرت پر متعین کرنا جہاں دیگر مسائل میں احکام فقہیہ کے لیے مصدرِ استدلال ہے وہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اہل کفر پر معاملات دنیوی میں اعتبار کر کے ان کی شہادت و روایت کو قبول کیا جائے گا۔ عبداللہ بن اریقط نے راستہ بھی وہ اختیار کیا جو عام نہیں تھا اور دیگر راستوں سے نسبتاً طویل تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے اس عمل کو قبول فرمایا اور اسی راستے پر سفر کو درست سمجھا جس کی جانب اس نے نشاندہی کی۔ آپ کا عمل اس پر دلالت کرتا ہے کہ روایت کے معاملے میں اہل کفر کو علی الاطلاق کاذب سمجھنا درست نہیں۔

سیرت کی تاریخی حیثیت

انسانی تاریخ کے حوادث و واقعات نقل و روایت کے سلسلوں کے توسط سے آج بھی محفوظ ہیں اور عبرت پذیری کا مظہر و مصدر ہیں۔ جناب آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک عروج و فنا کے مراحل سے گزرنے

والی سینکڑوں اقوام کی تاریخ کے ناقل وراوی انہی اقوام کے اہلِ علم اور اہلِ [illegible] وتالیف ہی ہیں۔ افریقہ میں بسنے والی اقوام کی تاریخ کی نقل وروایت میں یہ آرزو کہ متدین ومتقی افراد کی متصل الاسناد روایات دستیاب ہوں، یقیناً بعید از حقیقت آرزو ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی تاریخ نقل کی جاتی ہے اور دستیاب مواد پر اعتماد وانحصار بھی کیا جاتا ہے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اگر غور کیا جائے تو اس کی ایک حیثیت بھی تاریخی ہے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے پہلے عرب کے حالات، قبیلوں کی آویزشیں، قریش کی تاریخ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے قبل رونما ہونے والے معجزاتی واقعات (آتشکدہ ایران کا بجھنا، کسریٰ کے ایوانوں کے میناروں کے کنگروں کا گرنا، حضرت آمنہ اور دیگر اہلِ عرب کے ساتھ محیر العقول واقعات کا پیش آنا) کے لیے حدیثی معیار کے مطابق اسناد تلاش کرنا نہ صرف بے سود ہے بلکہ غیر منطقی بھی ہے۔ جب دیگر اقوام وملل کی تاریخ میں اس کی ضرورت نہیں تو کیا وجہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق تاریخ کو ایسے میزان ومعیار پر ہر صورت پرکھا جائے۔ سیرت کی تشریعی حیثیت کو اس کی تاریخی حیثیت سے خلط ملط کرنے کا مطلب نہ صرف بہت سی روایاتِ سیرت سے محرومی ہے بلکہ سیرت کے ما بعد واقعات کی تفہیم بھی ناممکن ہو جاتی ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں۔

''لیکن حدیث اور تاریخ میں فرق کرنا ضروری ہے۔ حدیث سے عقائد واحکام پیدا ہوتے ہیں اس لیے اس میں شدید احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے لیکن تاریخ سے فقط واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ پھر جس معیار پر عموماً تاریخی روایتیں جانچی جاتی ہیں ان ہی پر میلاد مبارک کی روایتوں کو بھی چاہیے کی جانچا جائے۔ کیونکہ میلادی روایتوں سے نہ تو عقیدہ کا پیدا کرنا مقصود ہے اور نہ کسی قانونی حکم کے استنباط میں ان سے کام لیا جاتا ہے۔ ایک واقعہ ہوا ہے بس اتنا ہی ظاہر کرنا ہے اور اس کے لیے صرف یہ دیکھ لینا چاہیے کہ گرد وپیش کے حالات اس کے مؤید ہیں یا نہیں؟ اور یہ کہ واقعہ کے امکان کے لیے قریبی قرائن موجود ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں اور اس کے بعد ایسے ذرائع جن پر تاریخ میں اعتماد کیا جا سکتا ان کے توسط سے ہم تک کسی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کی اطلاع پہنچتی ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس کے انکار کی گنجائش عقل ہو یا منطق، آخر خواہ مخواہ کیوں پیدا کرے گی۔ یہ ایک بڑا مغالطہ ہے کہ محدثین کی کڑی تنقید کا حربہ تاریخی روایتوں پر بھی چلا دیا جائے حالانکہ اگر ایسا کیا جائے تو دنیا کی تمام تاریخیں نہ صرف قدیم زمانہ کی بلکہ زمانہ حال کے متعلق جو تاریخی روایتیں جمع کی جاتی ہیں یقین کیجیے کہ یکا یک ان کا سارا دفتر بے معنی ہو کر رہ جائے'' (۲۳)

حاصل یہ ہے روایاتِ سیرت کی تاریخی حیثیت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کو حدیث کے استنادی معیار پر پرکھنے کی بجائے اخبار وآثارِ دنیوی کی طرح انہی اصولوں پر جانچا جائے جو دنیوی واقعات کے امکان ووقوع کی تحقیق میں کارفرما ہوتے ہیں۔ کسی درجہ کے عقلی ونقلی شواہد کا موجود ہونا بھی اخبار وروایات

کے لیے قبولیت کا باعث بن سکتا اگر اس سے کسی مسلمہ اعتقادی مسئلہ پر زد نہ پڑتی ہو۔ روایات سیرت میں اہل کفر سے اخذ و قبول کا جواز قرآن و حدیث سے مستفاد ہے اسی لیے اہل سیرت کا تعامل بھی یہی ہے۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: عبدالستار غوری، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے بائبل کی چند پیشین گوئیاں، المورد، ادارۂ علم و تحقیق، لاہور، ۲۰۱۰ء

۲۔ السیوطی، جلال الدین، الشمائل الشریفۃ، تحقیق: حسن بن عبید باحبیشی، دار طائر العلم للنشر و التوزیع، بیروت، ص ۲۱۹، س ن

۳۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ، البغدادی، ابو بکر احمد بن علی، المکتبہ العلمیہ، المدینۃ المنورہ، تحقیق۔ ابو عبداللہ السورقی، ابراہیم المدنی، ص ۱۲۱

۴۔ المعتمد فی اصول الفقہ۔ تحقیق ڈاکٹر محمد حمید اللہ، المطبعۃ الکاثو لیکیۃ، بیروت۔ ۱۳۸۵ھ، ج ۲، ص ۶۱۷۔۶۱۹

۵۔ الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، المحصول فی علم اصول الفقہ، تحقیق: طہ جابر فیاض العلوانی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج ۲۔ ص ۵۶۷۔۵۷۱، ۱۹۹۲ء

۶۔ علی بن عبد الکافی، السبکی، تاج الدین، الا بہاج فی شرح منہاج الوصول فی علم الاصول للبیضاوی، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۴ھ، ج ۲، ص ۳۱۹

۷۔ النووی، محی الدین بن شرف، التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر، تحقیق: محمد عثمان الخشت، دار الکتاب العربی، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۵ء، ص ۵۰

۸۔ قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص ۱۲۶، س ن

۹۔ کشف الاسرار شرح اصول بزدوی، تحقیق: عبداللہ محمود محمد عمر، دار الکتب العلمیہ بیروت طبع اول، ۱۹۹۷، ج ۔۲، ص ۵۲۳

۱۰۔ البقرہ۔ ۱۱۱

۱۱۔ احمد بن حنبل، المسند، مؤسسۃ قرطبہ، القاہرہ، ج ۔۴، ص ۱۳۶، حدیث نمبر ۱۷۲۶۴، س ن

۱۲۔ داناپوری، ابو البرکات، عبد الرؤف، اصح السیر مجلس نشریات اسلام کراچی، ص ۱۰، ۱۱، ۲۰۰۴ء

۱۳۔ النیشاپوری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، دار الجیل بیروت، باب من فضائل ابی سفیان، رقم حدیث: ۶۵۶۵، ج ۷، ص ۱۷۱

۱۴۔ ابن القیم، محمد بن ابی بکر الجوزیۃ، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، فصل: فی اولادہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ج ا۔ص ۱۰۱، ۱۹۹۴ء

۱۵۔ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، تحقیق: مصطفیٰ دیب البغاء، باب تعدیل النساء بعضھن بعض، رقم حدیث: ۲۵۱۸، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۸۷ء

۱۶۔ الکلاعی، ابو الربیع، سلیمان بن موسی، الاندلسی، الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ والثلاثۃ الخلفاء، تحقیق: محمد کمال الدین عز الدین علی، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۱۷ھ، ج ۲، ص ۱۱۰

ابن حزم، علی بن احمد، الاندلسی، جوامع السیرۃ وخمس رسائل لابن حزم، تحقیق: احسان عباس، دار المعارف مصر، ۱۹۰۰ء، ص ۵۔۷

۱۷۔ الانبیاء۔۷

۱۸۔ الخازن، علاء الدین علی بن محمد بن ابراھیم البغدادی، لباب التاویل فی معانی التاویل، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۹ء، ج ۴، ص ۹۲

۱۹۔ ابن عجیبۃ، احمد بن محمد الادریسی، الشاذلی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ج ۴، ص ۳۵

۲۰۔ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، تحقیق: مصطفیٰ دیب البغاء، باب بدا الوحی، ج ا۔ص ۷، رقم حدیث: ۷، ۱۹۸۷ء

۲۱۔ مالکؒ نے کہا رقیط نام ہے۔ لیکن راجح اور صحیح یہی ہے کہ نام عبداللہ بن اریقط ہے بعض نے عبداللہ بن اریقد بھی کہا ہے۔ علامہ ابن حجر الاصابۃ میں لکھتے ہیں کہ ہجرت کے وقت وہ اپنی قوم کے دین پر تھے اور التجرید میں امام ذہبی کے علاوہ کسی نے بھی ان کا نام صحابہ میں ذکر نہیں کیا۔ عبدالغنی المقدسی نے اپنی السیرۃ میں بالجزم لکھا ہے کہ ان کا اسلام لانا معروف نہیں۔ النووی نے تہذیب الاسماء میں مقدسی کا اتباع کیا ہے۔ (ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی العسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، تحقیق: علی محمد البجاوی، دار الجیل، بیروت، ۱۹۹۲، ج۔۴، ص ۵)

بدر الدین، ابو محمد محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، باب استئجار المشرکین عند الضرورۃ،

۲۲۔ الحاکم، محمد بن عبد اللہ النیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۰، رقم حدیث: ۴۲۷۴، ج ۴، ص ۵۸

۲۳۔ گیلانی، مولانا مناظر احسن، میلادی مکاشفات ظہور نور، اسلامک پبلی کیشنز سوسائٹی، حیدر آباد دکن، ص ۴، ربیع الاول، ۱۳۷۳ھ